اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں









مصنف :

مفسرِ شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ



ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

(۱) اِلٰـہ (۲) رسول (۳) نبی (٤) ایمان

اِلٰـہ

زمانہ نیا زمانے والوں کے ذہن جذب پسند ہیں ہر چیز میں جدّت طرازی آج کل کا محبوب مشغلہ ہے، بعض جدّت پسندوں نے توحید کے معنی نئے کر ڈالے رسالت، نبوت، ایمان کے شربتوں کو نئے گلاسوں میں پینا شروع کر دیا، جس سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے۔ لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کو ان چار الفاظوں کو وہی پُرانے معنی بتائے جائیں جو ساڑھے تیرہ سو برس سے مانے جاتے رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید ورسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے کلمہ طیبہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ہی سب مسلمان ہوتے ہیں آج کل اس صحبت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اِلٰہ کے کیا معنی ہیں اور اُلوہیت کا مدار کس چیز پر ہے۔ اُلوہیت وعبدیت میں فرق کرنے والی کیا شے ہے 'لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ' کے معنی ہیں اللہ کے سوا کوئی اَلٰہ نہیں.......... آخر اِلٰہ ہے کیا؟ آج عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اِلٰہ وہ ہے جو غیب جانے، الٰہ وہ جو حاضر ہو ناظر ہو، اِلٰہ وہ ہے جو بیٹا دے، اِلٰہ وہ ہے جو شفا دے، اِلٰہ وہ ہے جو مشکل کشا حاجت روا ہو، دادرس فریادرس ہو، اِلٰہ وہ ہے جو دور سے سن لے، دور سے دیکھ لے۔ اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان حضرات انبیاء کرام واولیاء عظام خصوصاً حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم غیب حاضر و ناضر دادرس فریادرس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

خلق کے داد رس کل فریاد رس! کہفِ روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

وہ سب مشرک ہیں کیونکہ انہوں نے بندوں کو اِلٰہ مان لیا، مشرکینِ عرب اپنے بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں، فریادرسی کرتے ہیں، وہ مشرک تھے یہ مسلمان بھی نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح شرک میں گرفتار ہیں، ہم دکھاتے ہیں اِلٰہ کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہے ورنہ از روئے قرآن لاکھوں اِلٰہ ماننے پڑیں گے ملاحظہ فرمائیے۔

غیب کا جاننا

اگر غیب کا جاننا مدار الوہیت ہے تو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے یوں خطاب فرمایا وانبئکم بِما تاَ کلونَ وماتد خِرونَ فِی بیوتکم (اور خبر دیتا ہوں میں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور بچاتے ہو) خیال رہے کہ 'تَا کلون' اور 'تد خرون' مضارع ہے جس میں حال واستقبال دونوں زمانوں کی گنجائش ہے تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھریوں میں بیٹھ کر کھاتے ہو یا کھاؤ گے، بچاتے ہو یا بچاؤ گے میں سب کی خبر تم کو دے سکتا ہوں، یعنی کھیتیوں میں دانے باغوں میں پھل پیدا ہوتے ہیں، ہر دانے پھل پر کھانے والے کی مہر ہوتی ہے، میں ان مہروں کو جانتا ہوں اور کھانے والوں کو پہچانتا ہوں سوچو تو اللہ تعالیٰ نے جنابِ مسیح کو کتنا وسیع علم عطا فرمایا ہے، اگر غیب جاننا مدارِ الوہیت ہو تو از روئے قرآن مجید جناب مسیح اِلٰہ ٹھہرتے ہیں۔۔۔

عالم میں تصرف کرنا

اگر عالم پر حکمرانی ہوا اور پانی چاند سورج پر قبضہ الوہیت کا معیار ہو تو از روئے قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کو اِلٰہ ماننا پڑے گا، کہ ان کے متعلق قرآنِ مجید فرماتا ہے، وسخرنا لَهُ الرّیح تجری بامرہٖ رُخاءً تجری بِامرہٖ ط

۲۔ وسخرنا لهُ الرّیح عاصفةً تجری بامرہٖ ط

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو خواہ پُروا ہو یا پچھوا، شمالی ہو یا جنوبی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا کہ "تجری بامرہٖ" ہر قسم کی ہوائیں ان کے حکم سے چلتی تھیں، اور ظاہر ہے کہ ہوا ہی بارش لاتی ہے اور ہوا بارش اُڑاتی ہے، لہٰذا بارش بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان کر دی گئی، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش سے ہی پیداوار ہے، جس پر تمام جانداروں کی بقا کا مدار ہے، اس قاعدے سے سارا نظامِ عالم حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان کر دیا تھا۔ الوہیت کے اس قاعدے سے انہیں بھی اَلٰہ ماننا پڑے گا۔ نعوذ باللہ منہ

شفاء دینا

قرآن کریم فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی خیریت دریافت کی، معلوم ہوا کہ وہ فراقِ یوسفی میں روتے روتے بصارت کھو چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا،

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہٗ علیٰ وجہ ابی یات بصیراً ط

میری یہ قمیض لے جاؤ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔

قرآنِ کریم حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے، اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ ھٰذَا مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ اپنا پاؤں زمین پر رگڑ و اس سے پیدا شدہ پانی غسل کے لیئے بھی ہے اور پینے کے لیے بھی یعنی اس میں آپ کے لیے ظاہری باطنی شفاء ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا، اُبْرِءُ الاکمہ والابرص واُحْیِ الْمَوْتیٰ باذن اللّٰہ میں اللہ تعالی کے حکم سے پیدائشی اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کرتا ہوں اور مُردے زندہ کرتا ہوں۔ دیکھو! شفا دینا مردوں کو زندہ کرنا ربّ کا کام ہے واذا مرضت فھو یشفین اور 'یحی و یمیت' مگر ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے باذن پروردگار بیماروں کو شفا اور مردوں کو زِندگی بخشتے ہیں۔

قرآن مجید کا وہ واقعہ بھی یاد رکھو کہ چار ذبح کیے ہوئے، قیمہ کیے ہوئے پرندے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی پکار پر زندہ ہو کر حاضر ہو گئے ثُمَّ ادْعُھُنَّ یاتینک سعیاً مگر اس باوجود رب رب ہے اور بندہ بندہ ہے بندے کے ہاتھ پر ربانی کام ظاہر ہوتے ہیں مگر بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اِلٰہ کی اس مذکورہ تعریف سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ، ایوب، یوسف وابراھیم علیہم السلام اِلٰہ ہو جائیں۔ نعوذ باللّٰہ

بیٹا دینا

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے جب آپ باپردہ جگہ میں غسل کی تیاری فرما رہی تھیں، انسانی شکل میں تھے آپ دیکھ کر گھبرا گئیں، تو جنابِ جبرئیل نے تسکین دیتے ہوئے فرمایا، انما انا رسول ربک لاھب لک غلاماً زکیاً میں تمہارے ربّ کا قاصد ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیٹا دوں، دیکھو ! بیٹا بیٹی دینا ربّ کا کام ہے، فرماتا ہے، یھب لمن یّشآء اناثاً و یھب لمن یّشآء ذکوراً ربّ کے لیے بھی یَھَبُ فرمایا گیا اور جناب جبرئیل کے لیے بھی "لِاَھَبَ" فرمایا گیا۔ صیغہ ایک معنی ایک مگر نہ خدا تعالیٰ جبرئیل ہو گیا اور نہ جبرئیل خدا بنے اگر بیٹے دینا دلیل الوہیت ہوتا تو حضرت جبرئیل بھی اِلٰہ بن جاتے۔

دور سے سننا اور دیکھنا

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ آپ چونٹیوں کے جنگل پر گزرے تو آپ نے سنا ایک چیونٹی اپنی سہیلی چونٹیوں سے کہہ رہی ہے، یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطنکم سلیمان وجنودہ و ھم لا یشعرون آگے فرماتا ہے فتبسم ضاحکاً من قولھا ترجمہ : اے چونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم کو لشکرِ سلیمان تمہیں کچل دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ آپ اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل سے سنی، خیال کیجئے کہ چیونٹی کی آواز اتنی باریک اور ہلکی ہے کہ آج سائنس کے زمانے میں کوئی مشین اِسے نہ سنا سکی۔ ایسی باریک آواز تین میل سے سننا کتنی دور کی آواز سننا ہے۔

قرآن کریم فرماتا زلیخا یوسف علیہ السلام کو سات دروازوں والی کوٹھڑی میں لے گئی اور دروازے مقفل کر کے اس نے آپ کو لبھانا چاہا، مگر یعقوب علیہ السلام ان سارے واقعات سے خبر دار تھے، آپ نے کنعان سے بیٹھے ہوئے یہ سب واردات دیکھی اور فرزند کو وہاں پہنچ کر مدد کی، ارشاد ہوتا ہے، ولقد ھمت بہ وھم بھا لو لا ان رای برھان ربہ وہ تو قصد کر ہی چکی تھی یوسف علیہ السلام کا آپ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

وہ برہان کیا تھی یعقوب علیہ السلام کا سامنے آجانا اور اشارہ سے فرزند کو منع کرنا، خیال رہے کہ یہاں رای فرمایا گیا اس سے معلوم وہ برہان کوئی دیکھی بھالی چیز تھی نہ کہ سنی سنائی۔ قرآن نے نبی کو دیکھی بھالی برہان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے، یا ایھا الناس قدجاءَ کم برھان من ربکم اے لوگو! تمہارے پاس ربّ کی طرف سے برہان ودلیل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

دیکھو یعقوب علیہ السلام نے کتنی دور سے کیسی تیرہ و تاریک کوٹھڑی میں اپنے بیٹے کا حال دیکھ لیا نیز قرآن کریم فرماتا ہے، ولما فصلت العیر قال ابوھم انی لاجد ریح یوسف جب قافلہ قمیض یوسفی لے کر مصر کی بستی سے جدا ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے فرمایا، کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا رہا ہوں۔

آمد نسیم جانفذا سوئے من از کوئے کسے

غور تو کرو کہ کہاں مصر افریقہ کا دار الخلافہ اور کہاں کنعان ملک شام کی بستی اتنی دور سے آپ نے قمیض یوسفی کی خوشبو پالی اگر دُور سے دیکھنا، سننا، بو پانا مدار الوہیت ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اِلٰہ ہونے چاہئیں۔

حاضر و ناظر

اگر ہر جگہ حاضر یعنی متصرف ہونا اور ہر جگہ کو مثلِ کفِ دست دیکھنا دلیلِ الوہیت ہو تو ایک دو نہیں، بلکہ لاکھوں اِلٰہ ماننے پڑیں گے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے آصف برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا، **قال انا اتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک** میں آپ کی خدمت میں تختِ بلقیس لاؤں گا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے خیال تو کرو کہ تختِ بلقیس ملکِ یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے محل میں مقفل ہے اور آپ ملک فلسطین میں ہیں، کسی سے اس شہر کا راستہ نہیں پوچھتے بار برداری کے لیے کوئی چکھڑا، گاڑی ساتھ نہیں لیتے اور پل بھر سے پہلے اتنا وزنی تخت اُٹھا کر حضرتِ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں یہ ہے ولی بنی اسرائیل کا ہر جگہ حاضر و ناضر ہونا۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے، **قل یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم** 'تم سب کو وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے' اور فرماتا ہے **وتوفتھم رسلنا** 'ان سب کو ہمارے بہت سے فرشتے وفات دیتے ہیں' یعنی مددگارانِ ملک الموت علیہ السلام۔ دیکھو حضرت ملک الموت اور اُن کے رفقا فرشتے بیک وقت ہزار ہا مقامات پر ہزاروں مرنے والوں کی جان نکال لیتے ہیں یعنی تمام جہاں ان کے سامنے ہے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے نیز فرماتا ہے، **انہ' یری کم ھو وقبلہ' من حیث لا ترونھم** وہ ابلیس اور اس کا سارا قبیلہ وذریت تم سب لوگوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔

معلوم ہوا کہ ان بے ایمانوں کو بہکانے کے لیے اتنی قوت رب کی طرف سے دی گئی ہے کہ وہ بیک وقت تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے خطروں اور دلی ارادوں سے خبردار ہیں اس ہی لیے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ یا خیال بھی کرتا ہے تو یہ اس کو بہکاتے ہیں، چاند سورج سارے ستارے ہر جگہ حاضر ہیں ہر جگی سے بیک وقت دیکھے جاتے ہیں اور ہر جگہ اپنی روشنی پھینکتے ہیں کھیتیاں تیار کرتے ناپاک زمین کو خشک کر کے پاک کرتے ہیں اگر حاضر و ناضر ہونا مدارِ الوہیت ہو تو حضرت ملک الموت اور ان کے سارے ساتھی فرشتے اِلٰہ ہوں گے، شیطان اور اس کی ساری ذریت اِلٰہ ہو گی، چاند سورج اور سارے تاروں کو اِلٰہ ماننا پڑے گا، ہندو تو دس بیس ہی اِلٰہ مانتے ہیں مگر ان توحیدیوں کے اِلٰہ بندوں کی تعداد سے زیادہ ہو جائیں گے۔

مشکل کشا، حاجت روا فریاد رس ہونا

یہ چیزیں بھی مدارِ الوہیت نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں بلکہ ان کے تبرکات کو یہ صفات بخشی ہیں، چنانچہ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دردِ زہ شروع ہوا۔ آپ جنگل میں اکیلی تھیں جہاں آپ کے پاس نہ مائی تھی نہ دائی، اس سے پہلے کبھی یہ تکلیف نہ دیکھی نہ آزمائی تو گھبرا کر بولیں، **یا لیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً** 'ہائے کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوچکتی۔' اس عرض پر دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا اور آپکی دادرسی اور فریادرسی اس طرح فرمائی گئی کہ **فنا دٰھا من تحتھا ان لا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریًا** 'نیچے سے آواز آئی اے مریم گھبراؤ نہیں تمہارے رب نے تمہارے قدم کے نیچے ایک سرد آب (پانی کا چشمہ) بنادیا ہے۔' **تحتک** سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس چشمہ کا پھوٹنا جناب مریم کے قدم شریف سے تھا، جیسے آبِ زمزم کا جناب اسمٰعیل کی ایڑی شریف سے نکلنا۔ **وھزی الیک بجذع النخلتہ تساقط علیک رطباً جنیًا** 'اور کھجور کے ڈنڈ کو جو سوکھا گھنا ہوا ہے، اپنی طرف ہلاؤ وہ فوراً پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔' یعنی ان کھجوروں کو کھا کر یہ پانی پی لو۔ تمہاری مشکل آسان ہوگی اور باآسانی ولادت ہوجائے گی۔ حضرت مریم کی دادرسی مشکل کشائی کچھ کھجوریں اور پانی کے ذریعے کی گئی مگر وہ کھجوریں ان کے ہاتھ سے اور پانی ان کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ ولی کا ہاتھ لگنے سے سوکھا گھنا ہوا ڈنڈ آناً فاناً ہرا ہوکر پھل لاسکتا ہے اور فوراً پکا سکتا ہے۔ اور اس پھل سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں، تو اگر ہمارے سوکھے ہوئے دلوں پر کسی ولی کی نگاہِ کرم پڑ جائے، تو یہ سرسبز ہوکر معرفت کے پھل پھول دے سکتا ہے اور پھر اس سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔

نیز قرآن مجید فرمارہا ہے کہ غرقِ فرعون کے دن جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے اس گھوڑی کی ٹاپ سے خشک ریگستانی زمین میں سبزہ پیدا ہوتا تھا۔ سامری نے اس ٹاپ کے نیچے کی کچھ خاک لے لی بہت عرصہ بعد جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر لگی تو سامری نے فرعونی سونے کا بچھڑا ڈھال کر اس کے منہ میں یہ خاک ڈال دی۔ جس سے وہ زندہ بچھڑا بن کر چیخنے لگا، اور اسرائیلی اس کو پوجنے لگے۔ فرماتا ہے، **فقبضت قبضۃً من اثرا الرسول فنبذ تھا وکذالک سولت لی نفسی** میں نے حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے آثارِ قدم سے ایک مٹھی خاک سے لی تھی، وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔ میرے دل نے یہی چاہا۔ اس آیت نے یہ بتایا کے مقبولوں کے تبرکات جان دار کو بے جان کرسکتے ہیں۔

بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس نسبت کا کہ جسمِ جبرئیل لگا کاٹھی سے وہ لگی گھوڑی کی پیٹھ سے گھوڑی کی ٹاپ لگی خاک سے وہ خاک پہنچی بچھڑے کے منہ میں اُسے زندگی بخش دی، خاک نے تو اپنا کام کردیا، مگر سونا فرعونیوں کے ہاں کا تھا، اس لیے اس کی آواز سے

لوگوں کو ہدایت نہ ملی، گمراہ ہوئے۔ جیسے بے دین مولوی کے علمی وعظ سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ اس آیت نے بتایا کہ مدینہ منورہ کی خاک دافعِ بلا باعثِ شفا ہے اسی لیے اسے خاکِ شفا کہتے ہیں کہ وہاں کے ذروں نے جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نعلینِ پاک چومے ہیں۔

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگِ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد ﷺ کے

اگر دافعِ بلا ہونا الوہیت کا مدار ہے تو جناب مریم رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی الٰہ ہونے چاہئیں، بلکہ حکیموں شربت ،عرق، گولیاں، جنگل کی جڑی بوٹیاں سب الٰہ بن جائیں گی ایک شربت کا نام ہے شربتِ فریاد رس، حبِ مسکینِ نواز، حبِ شفا، حبِ دافعِ بخار، قبض کشا گولیاں، وغیرہ سب الٰہ ہوگئیں۔ نعوذ باللہ منہا

خالق ممالک و ابدی ہونا

بعض کا خیال یہ ہے کہ الٰہ وہ ہے جو خالق ہو، مالک ہو، غیر فانی ہو، بیشک رب تعالی ان صفات سے موصوف ہے مگر مدارِ الوہیت یہ چیزیں بھی نہیں کیونکہ جب کوئی مملوک پیدا نہ ہوا تھا اور اس کی صفت مالکیت کا ظہور نہ ہوا تھا تب بھی وہ الٰہ تھا نیز جنتیں اور وہاں کی نعمتیں جنتی لوگ جنت میں پہنچ کر یونہی دوزخی وہاں کے عذاب اور دوزخی وہاں پہنچ کر سب غیر فانی ہونگے ربّ تعالی فرماتا ہے اُکُلُهَا دَائِم اس کے پھل ہمیشہ ہیں اور فرماتا ہے، خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا اَبَدًا وہ جنتی جہنمی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تو اس سے لازم آیا کہ ہر جنتی دوزخی الٰہ بن جائے۔

لطیفہ: موجودہ دور کے ایک موحّد عالم کہیں وعظ فرمانے تشریف لے گئے اور دورانِ وعظ میں کلمہ طیبہ کے معنی یوں کئے لا الٰہ نہیں ہے کوئی بیٹا دینے والا، نہیں ہے کوئی فریاد رس نہیں ہے کوئی مشکل کشا نہیں ہے کوئی حاجت روا اِلَّا اللّٰہُ اللہ ہی ہے اتفاقاً بانی جلسہ سنی تھا اسے اس وعظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی صبح کو مولوی صاحب کو نذرانہ دینے نا آیا آخر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ مانگا اور کرایہ کا مطالبہ کیا وہ بولا مولوی صاحب رات کا وعظ بھول گئے صبح سویرے ہی شرک میں گرفتار ہوگئے لا الٰہ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لا الٰہ نہیں ہے کوئی مختانہ دینے والا اِلَّا اللّٰہَ اللہ ہی ہے، اب مجھ سے کرایا کیوں مانگتے ہو ربّ سے مانگو، بہر حال الٰہ کے یہ معنی اور ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہونا باطل محض ہے۔

الوہیت کے شرعی معنی

یقیناً اللہ تعالی ازلی ابدی، سمیع، بصیر حاجت روا، مشکل کشا، خالق مالک، فریادرس، شفاو روزی رساں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز اِلٰہ وعبد و معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔

جو چیز بندہ اور الٰہ میں فرق کرکے جس کی بناء پر بندہ بندہ ہو اور اِلٰہ اِلٰہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی، بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو، دوسرے کا حاجت مند ہو اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو، اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضے میں ہو۔

اِلٰہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند کسی کا نیاز مند نہ ہو سب سے غنی و بے پرواہ ہو، دیکھو سورۃ اخلاص میں پہلے فرمایا گیا **اَللّٰہُ الصَّمَد** اللہ بے نیاز ہے پھر ارشاد ہوا **لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَد** یہ اس کی بے نیازی کا ثبوت ہے کہ وہ نہ کسی باپ ہے نہ کسی کی اولاد کیونکہ ابوّت اور نبوت نیاز مندی کی بناء پر ہوتی ہے پھر آخر میں ارشاد ہوا **وَلَمْ یَکُن لَّہٗ کُفُواً اَحَد** اس کا کوئی ہمسر نہیں کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کا حاجت روا ہے، اور فرماتا ہے **واللّٰہ غنی عن العالمین** اللہ جہانوں سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، اور فرماتا ہے **اللّٰہ غنی وانتم الفقرآء** اللہ غنی اور بے نیاز ہے تم اس کے فقیر نیاز مند ہو **ولم یتخذ ولیا من الذُّل** اللہ نے اپنی کمزوری اور حاجت مندی کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا اور فرماتا ہے، **ولم یعی بخلقھن** اللہ تعالی آسمان اور زمین کو بنا کر تھک نہیں گیا اور تھک کر کسی کا نیاز مند نہیں ہو گیا۔ یہ وہ معیار ہے جس کی بنا پر بندہ بندہ رہتا ہے اور رب رب، قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللہ سمیع و بصیر اور دیکھنے سننے والا ہے اور فرماتا ہے ہم نے ان کو سمیع و بصیر اور دیکھنے والا بنایا، اللہ زندہ ہے بندے بھی زندہ ہیں مگر پھر اللہ اِلٰہ ہے بندہ بندہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ بے نیاز ہو کر سمیع و بصیر ہے و حیی و قیول مالک و ملک ہے اور بندہ رب کا حاجت مند اور اس کا محتاج ہو کر حیی و قیوم سمیع و بصیر، مالک و ملک ہے یہ تمام صفتیں بندہ کو رب نے دی ہیں اور جب چاہے وہ یہ صفتیں اِن سے چھین لے۔

ضروری نوٹ صوفیا کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعثِ قیام عالم اسی لیے مجدّدیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول قیوم ثانی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف ارشارہ موجود ہے، **بھم یمطرون و بھم یرزقون** اسی طرح اللہ تعالی فریادرس، حاجت روا مشکل کشا، شفا بخش، اولاد بخشنے والا، اور بعض بندے بھی اس کی عطا واس کے ارادہ سے فریادرس، مشکل کشا، اور اولاد بخش ہیں جن کی آیات اوپر گزر گئیں مگر پھر بندہ بندہ ہے ربّ ربّ۔ اللہ عزوجل کی یہ تمام صفات بے نیاز و غنی ہو کر ہیں، اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند ہو کر انہیں یہ صفات رب نے دیں اور وہ خود اور اِن کی یہ صفات رب تعالی کے قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ اسی کی غنی اور بے نیازی کو ذاتی و حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی نیاز مندی کو مجازی و عطائی سے یہی الوہیت وعبدیت کے درمیان باعثِ فرق

ہے۔ بلاتشبیہ انجن اور سارے ریل کے ڈبے ایک ہی لائن پر ایک ہی رفتار سے دوڑ رہے ہیں، مگر عقل والا جانتا ہے دوڑنے والے ڈبے ہیں اور دوڑانے والا انجن، جو محتاج ہیں وہ ڈبے ہیں اور محتاج الیہ انجن، آئینہ میں سورج کا عکس آگیا جس سے شیشہ میں روشنی شعاعیں گرمی غرضیکہ سورج کے سارے صفات نظر آنے لگے مگر ہوشمند جانتا ہے کہ سورج سورج ہے اور آئینہ آئینہ ہے سورج شیشے میں نہیں آگیا اور شیشہ سورج تک نہیں پہنچ گیا، آئینہ دار آئینے میں نظر آرہا ہے اس کے سارے اعضاء قد وقامت رنگ و روپ، لباس، حرکات وسکنات سب آئینہ میں دیکھی جارہی ہیں، وہ انگلی ہلاتا ہے تو آئینہ کا عکس بھی ہلتا ہے مگر پھر اصل اصل ہے اور ظل ظل۔ یہاں بھی وہی غنیٰ واحتیاج حقیقت ومجاز، ذاتی وعطائی کا فرق کارفرما ہے کسی صوفی نے کیا شاندار بات کہی ہے

عارف خدا نما است ولے او نہ می شود   آئینہ رونما است ولے رونہ می شود

'عارف خدا دکھانے والا ہے لیکن خدا نہیں بن جاتا، آئینہ چہرہ دکھانے والا ہے وہ چہرہ نہیں بن جاتا۔'

اب وہ حدیث قدسی پڑھیے کہ ربّ فرماتا ہے، جب بندہ مجھ سے بہت قریب ہوتا تو میں اُس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور میں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ نہ یہاں حلول ہوتا ہے نہ سرایت بلکہ تجلّیٔ ربانی جب بندے پر پڑتی ہے تو بندہ سے خدائی کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ایک شبہ

ہماری گذشتہ تقریر پر مخالفین کی طرف سے ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اگر مدارِ الوہیت غنیٰ ہے اور مدارِ ابدیت محتاجی۔ اِلٰہ وہ جو بے نیاز ہو، بندہ وہ جو نیازمند ہو تو مشرکینِ عرب مشرک نہ ہونے چاہئے تھے اور نہ ان کے معبودانِ باطلہ کو اِلٰہ کہا جاسکے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے انہیں اِلٰہ فرمایا ہے اور ان کے پجاریوں کو مشرک قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مشرک اپنے معبودوں کو غنیٰ اور بے نیاز نہیں مانتا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بندے اور اس کے حاجتمند ہیں، قرآنِ حکیم فرمارہا ہے کہ اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کس کا ہے تو کہیں گے اللہ کا۔ اور فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے کہیں گے اللہ نیز فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ کس کے قبضہ میں ہے بادشاہت آسمان اور زمین کی تو کہیں گے اللہ کی وغیرہ۔

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مشرکین عرب جب حج یا عمرہ کا احرام باندھتے پھر تلبیہ میں یہ الفاظ بھی کہتے، **لَا شَرِیکَ لَکَ اِلَّا شَرِیکًا وَاحِدًا ھُوَ عَبدٌ لَکَ** الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک کے اور وہ شریک بھی تیرا بندہ ہی ہے۔ ان باتوں کے باوجود وہ اپنے بتوں کو اِلٰہ کہتے تھے اور قرآنِ کریم نے انہیں مشرک قرار دیا۔

اب غور کرنا چاہئے کہ وہ کیا عقیدہ تھا اور کفار اپنے بتوں کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے جس سے انہیں اِلٰہ مانتے تھے اور انہیں خدا

کا شریک جانتے تھے وہ صرف یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے معبودین دان ہر جگہ حاظر و ناظر۔ دور و قریب سے دیکھنے سننے والے ہمارے حاجت روا، مشکل کشا۔ فریاد رس ہیں۔ انہیں عقیدوں کی بنا پر وہ مشرک ہوئے اور یہ صفات الوہیت کا مدار ہیں۔ جس بندہ میں یہ صفات مان لی جائیں اُسے اللہ مان لیا گیا، مشرکین یہ صفات اپنے معبودین میں مان کر مشرک ہوئے اور آج کے مسلمان نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرک ہو رہے ہیں۔ یقیناً یہ مسلمان اپنے پیروں ولیوں کو اِلٰہ مانتے ہیں۔

نوٹ﴾ مخالفین کے یہ انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ عام مسلمان کو مشرک کہتے ہیں۔

اس شبہ کا ازالہ

شرک کا دارومدار کسی کو اللہ کے برابر مان لینے پر ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے، ثم الذین کفروا بربھم یعدلون پھر کفار بندوں کو اپنے ربّ کی برابر کر دیتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اپنے معبودین سے کہیں گے کہ ہم بڑی گمراہی میں تھے۔ اذ نسویکم برَبّ العالمین کیونکہ ہم تم کو ربّ العالمین کے برابر جانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ شرک کا مدار اس پر ہے کہ کسی بندہ کو رب کے برابر سمجھا جائے رب کے برابر سمجھنے کی دو صورتیں ہیں، ایک بندہ کو اتنا اونچا کیا جائے کہ اس کو رب کے برابر درجہ دے دیا جائے کہ اسے اللہ کی طرح خالق، مالک غیب دان فریاد رس وغیرہ مستقل ذاتی طور پر مان لیا جائے دوسرے یہ کہ رب تعالی کی شان گھٹا کر اسے اپنے بندوں کی صف میں قائم کر دیا جائے اور یہ مانا جائے کہ بعض چیزوں میں بندے اللہ کے محتاج ہیں اور بعض باتوں میں رب تعالی بندوں کا دستِ نگر۔ یہ دونوں صورتیں بندوں کو اللہ ماننے کی ہیں اور شرک ہیں۔ کفارِ عرب ان دونوں قسم کے شرک میں گرفتار تھے اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے حاجتمند ہوتے ہیں اور جنسیت و نوعیت میں برابر وہ لوگ اس عقیدے کی بنا پر مشرک ہوئے ان کی تردید میں قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں چنانچہ ربّ تعالی فرماتا ہے، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ' کفواً احد نہ اس نے کسی نے جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا نہ کوئی اس کا ہمسر اور فرماتا ہے لم یتخذ ولداً اور فرماتا ہے وجعلو ابینہ' وبین الجنۃِ نسبا عام مشرکینِ عرب کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بت و معبودانِ باطلہ ہیں تو خدا کے بندے مگر خدا ان کا محتاج ہے، وہ ربّ تعالی دنیا کو پیدا فرما کر اتنا تھک گیا اور عاجز ہو گیا کہ وہ اب دنیا چلا نہیں سکتا، اس کا انتظام سنبھال نہیں سکتا، ہمارے یہ معبود دنیا کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں اور یہاں کا کام چلا رہے ہیں۔ یہ عقیدہ شرک ہوا کہ اس میں بندوں کو رب کا ہمسر مانا گیا، اس طرح کے بندوں کو رب کا حاجتمند مانا گیا، اور رب کو ان بندوں کا۔ ان کی تردید میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ ربّ فرماتا ہے، ولم یتخذ ولیاً من الذُّل اللہ تعالی نے عجز اور کمزوری کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ غرض کہ ان کا یہ عقیدہ شرک تھا، بعض کفارِ عالم کے لیے دو مستقل خدا خالق و مالک مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ خیر کا خالق اور چاہیے اور شر کا خالق اور خالق خیر کا نام یزدان رکھتے تھے اور شر کے خالق کا نام اہرمن۔ انہوں نے اس کے بعض فرضی بندوں کو اتنا اونچا سمجھا کہ خدا مان لیا۔

الحمدللہ عزوجل کوئی مسلمان ایسے گندے عقیدے نہیں رکھتا، صرف بہ عطائے الٰہی کسی بندے کو علمِ غیب ماننا یا بہ عطائے الٰہی کسی محبوب کو بندے کو خلق کا فریادرس مشکل کشا جاننا نہ شرک نہ کفر اور مشرکین عرب ان عقیدوں کی بنا پر مشرک نہیں ہوئے مشرک بنانے والے وہ عقیدے ہیں جو ابھی ہم نے قرآنِ کریم کی روشنی میں بیان کیے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بہ عطائے الٰہی اپنا حاجت روا بھی جانتے تھے اور مشکل کشا بھی، فریادرس بھی، جب ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے طهرنی یارسول اللّٰہ یعنی حضور مجھے پاک فرما دو۔

کیوں نہ کہتے جب رب تعالی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے متعلق فرما رہا ہے، ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث سکھاتے ہیں اور فرماتا ہے، خذ من اموالھم صدقۃً تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلاتک سکن لّھم اے محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان کے صدقات وصول پاؤ اور انہیں ان صدقات کے ذریعے سے ظاہری و باطنی صاف فرماؤ اور ان کے لیے دعائے رحمت کرو آپ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن وحدیث اور روزہ نماز وغیرہ ہم کو پاک صاف نہیں کر سکتے جب تک کہ نگاہِ مصطفوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہ ہو۔ قرآنِ وحدیث روحانی صابن اور پانی ہے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کرم ونگاہ عنایتِ روحانی پاک کرنے والا ہاتھ ہے صرف صابن اور پانی بغیر کسی کا ہاتھ لگے کپڑے کو صاف و پاک نہیں کرتے نابیناؤں نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے گئی ہوئی آنکھیں مانگیں، مرگی والوں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے شفا مانگی جانوروں نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے امان مانگی لکڑیوں پتھروں نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پناہ لی ہے، حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جنت مانگی ہے چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں، اسئلک مَرفقتک فی الجنّۃ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، یعنی ایمان عمل حسن خاتمہ قبر کے امتحان میں کامیابی، ہولِ محشر سے نجات، پل صراط سے بخیریت گذر، جنت کا داخلہ، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا قرب سبھی کچھ مانگ لیا، اس شاہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ یہ چیزیں خدا کی ہیں میں کیسے دے سکتا ہوں بلکہ فرمایا اوغیر ذلک کیا اس کے علاوہ کچھ اور مانگتے ہو عرض کیا ھو ذالک یہی میری مراد ہے، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بہ عطائے پروردگار مرادیں دیتے ہیں، فریادرسی فرماتے ہیں دادرسی کرتے ہیں، اگر کسی بندے کو علمِ غیب بہ عطائے الٰہی ماننا، دادرس، فریادرس سمجھنا، مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا شرک ہوتا تو صحابہ کرام

حیرت ہے کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا علمِ غیب مشکل کشا، حاجت روا ہونا ایسا ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کا اس زمانے کے کفار بھی انکار نہ کرسکتے تھے، قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب فرعون و فرعونیوں پر کوئی عذابِ الٰہی آتا تھا تو بھاگے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتے تھے عرض کرتے تھے، لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک ولنرسلن معک یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اس بار آپ نے ہم پر سے یہ عذاب دور کردیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں، اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے، ربّ تعالیٰ بھی اور جنابِ کلیم اللہ بھی ان کی اس حاضری اور عرض و معروض اور حاجت روائی مشکل کشائی، فریاد رسی کی درخواست کو شرک قرار نہ دیتے تھے، بلکہ موسیٰ علیہ السلام دعا کردیتے تھے، اور رب تعالیٰ وہ عذاب اُٹھالیتا تھا۔ پھر بعد میں یہ لوگ بے وفائی کرتے اور ان پر دوسرا عذاب آتا۔ خود ربّ تعالیٰ فرماتا ہے، فلما کشفنا عنهم العذاب الیٰ مدة فاذاهم ینکسون جب ہم ان سے عذاب اُٹھالیتے تھے تو وہ پھر جاتے تھے، اگر ان کا یہ کام شرک ہوتا تو اس پر عذاب زیادہ ہونا چاہئے تھا نہ کہ اُٹھایا جانا افسوس ہے کہ اس زمانے کے بعض کلمہ گو ان لوگوں سے بھی ناسمجھ ہیں۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ۔ اللہ کے معنی اور جس چیز پر الوہیت کا مدار ہے وہ آپ حضرات معلوم کر چکے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ رسول کون ہوتا ہے اور رسالت کے معنی کیا ہیں اور رسالت کا کس چیز پر مدار ہے۔

خیال رکھنا چاہئیے کہ رسالت کے معنی بھی بھیجنا ہیں اور بعثت کے معنی بھی بھیجنا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ بعثت مطلقاً بھیجنے کو کہتے ہیں مگر رسالت کچھ دے کر بھیجنا ہے لہٰذا رسالت بعثت سے خاص ہے۔ اسی لیے ہم عوام لوگ رسول نہیں کہلاتے رسول کا مختصر ترجمہ ہے پیغام رساں وفیض رساں، پھر رسول دو قسم کے ہیں بے اختیار رسول با اختیار رسول بے اختیار رسول بعض فرشتے ہیں جن کے سردار حضرتِ جبرائیل امین ہیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے، جاعل الملائکۃِ رسلا اولی اجنحۃ اور با اختیار رسول حضرات انبیاء کرام ہیں بغیر تشبیہ یوں سمجھو بادشاہ کا قانونی حکم بذریعہ ڈاک گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچتا ہے تاکہ اسے قانونی حیثیت سے رعایا پر جاری کیا جائے محکمہ ڈاک کا ملازم وہ پیغام رجسٹری کی شکل میں گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچاتا ہے پھر یہ حضرات رعایا کو جمع کر کے یہ حکم انہیں سناتے ہیں، ان پر جاری کرتے ہیں، قانون شکنی کرنے والے کو سزائیں دیتے ہیں بعض وفاداروں کو انعام تقسیم کرتے ہیں۔

دیکھو محکمہ ڈاک کا ملازم بھی ان افسروں کے پاس بادشاہ کا پیغام ہی لایا ہے اور ان احکام نے بھی رعایا تک بادشاہ کا پیغام ہی پہنچایا ہے، مگر ان دونوں پیغام رسانوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر شخص بے اختیار پیغام رساں ہے اور یہ حکام وافسران با اختیار کام دونوں نے ایک ہی کیا مگر مختلف حیثیات سے کیا، اس فرق کا نتیجہ یہ نکلا اوّل الذکر ملازم خادم قرار دیا گیا اور آخر الذکر حکام اس کے بھی مخدوم ہوئے اور رعایا کے بھی...... کہ ان حکام کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت مانی گئی اور ان کے حکم سے سرتابی بادشاہ کی بغاوت قرار دی گئی، ان حکام کو جیل بھیج دینے پھانسی لگوا دینے کے بھی اختیار دیئے گئے مگر وہاں کوئی اختیار نہیں۔

اسی طرح پیغام رساں حضرات انبیاء کرام کے خدام قرار دیئے جاتے ہیں کوئی شخص ان فرشتوں کا امتی نہیں ہوتا کسی شخص پر ان فرشتوں کے احکام نافذ نہیں ہوتے ان فرشتوں کا نام کلمہ میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ فرشتے حضرات انبیاء کے خدام خاص قرار دیئے جاتے ہیں حضرات انبیاء کرام خلق کے مخدوم رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ با اختیار حاکم ہوتے ہیں اسی لیے قوم ان کی اُمت کہلاتی ہے، ان کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے۔ ان کے احکام ان سب پر نافذ ہوتے ہیں یہ با اختیار اور بے اختیار کا فرق ضرور خیال میں رہے۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام بھی بے اختیار رسول ہوتے تو رسالت جبریلی ورسالتِ محمدی میں کیا فرق ہوتا، اور ہم کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کیوں پڑھتے۔ جبرئیل رسول اللہ کیوں نہ پڑھتے، مسلم و بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے مشرک ہو جاتے۔ (نعوذ باللہ)

فرماتے ہیں، ایک بار ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے سفید اور بال کالے تھے یعنی مسافر نہ تھا اور ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا، (یعنی وہ مدینہ کا باشندہ نہ تھا) وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے ادب بچھا کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ایسا باادب بیٹھا جیسے نمازی التحیات میں رب کے حضور بیٹھتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پانچ سُوال کیئے،

(۱) ایمان کیا ہے، (۲) اسلام کیا ہے، (۳) احسان کیا ہے، (٤) قیامت کب ہوگی، (٥) علامتِ قیامت کیا ہیں۔

سرکارِ عالی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جوابات عطا فرمائے وہ ہر جواب پر تصدیق کرتے رہے، صَدَقْتَ، صَدَقْتَ۔ پھر چلے گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔

دیکھو! جبرئیل امین نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مخاطب ہو کر نہ فرمایا کہ لوگو! میں جبرئیل ہوں، مجھ سے یہ مسائل سیکھ لو۔ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے التحیات کی سی نشست بیٹھے اور سُوال پیش کر کے سرکارِ ابد قرار کے زبان مبارک سے وہ مسئلے بیان کرائے آخر کیوں؟

اسلئے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور ان کی بات ماننا واجب نہ تھی بلکہ دوزانوں بیٹھ کر مسلمانوں کو بارگاہِ نبوت کا ادب سکھا دیا اور بتا دیا کہ میں بھی تمہاری طرح ان کا خادم و امتی ہوں، یہ فرق ہے بااختیار اور بے اختیار رسول میں جو حضرات آج انبیاء کرام کو بندہ مجبور محض بالکل بے اختیار پوسٹ مین کی طرح صرف پیغام رساں مانتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

'نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز نہ بولتے اگر جبرائیل نہ بولتے اور جبرائیل ہرگز نہ بولتے اگر خدا کلام نہ فرماتا۔'

وہ رسالتِ جبریلی اور رسالتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیا فرق کریں گے اور اس صورت میں پھر ان کی اتباع کیونکر ہوگی اور قوم ان کی اُمّت کیوں بنے گی اختیاراتِ رسالت کے متعلق قرآن کریم کے ارشادات ملاحظہ فرماؤ۔

۱﴾ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ 'ہمارے نبی ان لوگوں کو ظاہری و باطنی پاک صاف فرماتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت (حدیثِ پاک) سکھاتے ہیں۔'

۲﴾ خذ من اموالھم صدقۃً تطھرھم و تزکیھم بھا 'اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں کے صدقات وصول فرما لیا کریں، اور انہیں ان صدقوں کے ذریعے ظاہری پاکی طہارت بھی بخشو اور باطنی پاکی تزکیہ بھی۔'

۳﴾ تروی الیک من تشاء و ترجی الیک منھن من تشآء 'آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں۔'

۴﴾ ما كان لمؤمن و لا مؤمنةٍ اذا قضى اللّٰه و رسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من انفسهم ’جب اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو اپنے معاملات میں بھی اس کے متعلق اختیار باقی نہیں رہتا‘ اور فرماتا ہے،

۵﴾ فلا و ربک لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجًا مما قضيت و يسلمو تسليماًط ’اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ہی کے ربّ کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام اختلافات میں حاکم مطلق نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے قلب میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ سر تسلیم کردیں‘

بے اختیار پیغام رساں نہ حاکم ہی ہوتا ہے نہ اس کو اپنی قوم پر اتنے اختیارات ہی حاصل ہوتے ہیں۔

رسول کی ضرورت

اگر چہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ شہ رگ کے بھی ہم سے قریب ہے، خود فرماتا ہے۔

نحن اقرب اليه من حبل الوريد ’ہم اس سے بمقابلہ شہ رگ کے قریب تر ہیں‘

لیکن ہم ربّ تعالیٰ سے بہت دور ہیں، شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

یار نزدیک تر از من بمن است　　　ویں عجب بیں کہ من از وے دورام

کہ بلا واسطہ ہم اس سے فیض یاب نہیں ہوسکتے ہم ظلمت ہیں وہ نور، وہ قادر ہے ہم مجبور و مقدور، وہ قاہر ہے ہم مقہور، لہٰذا ضرورت تھی کہ رب و مربوب‘ عابد و معبود، خالق و مخلوق، بندہ و بندہ نواز محتاج و کارساز‘ کے درمیان کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہو جو ربّ سے فیض لے سکے ہم کو دے سکے، جب قلب و قالب کے درمیان رگوں اور پٹھوں، شرائین وغیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ رگیں قلب کا فیض ہڈی اور گوشت تک پہنچاتی ہیں ’’روح‘‘ جسم کو بذریعہ قلب و جگر پالتی اور پرورش کرتی ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم مجبور بلا واسطہ ربّ سے فیض لے سکیں اور اس تک پہنچ سکیں، اس لیے ہمارے اور رب کے درمیان ایک برزخ ضروری ہے، اسی برزخ کا نام رسول ہے اور اسی وساطت کا نام رسالت ہے۔

ہر وہ شخص جو رب تک پہنچنا چاہے یا اس سے کچھ لینا چاہے اسے رسول کی ضرورت ہے بلکہ جو دنیا کی آفات سے بچنا چاہے اسکے لئے نبی کا دامن پکڑنا ناگزیز ہے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے،

واعتصموا بحبل اللّٰه جميعا وّ لا تفرقوا ’سب کے سب اللہ کی رسی کو مظبوط پکڑ لو اور بکھر نا جاؤ‘

اس آیت کی تشریح یوں سمجھو کہ ایک گہرے کنوئیں میں شفاف پانی بھی ہے اور تہ میں کیچڑ کوڑا بھی ہم چاہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈول

جائے پانی لے کر بخیریت اوپر آجائے، وہاں کی کیچڑ اور کوڑے میں پھنسا نہ رہ جائے اس لیے ہم رسی کا واسطہ اختیار کرتے ہیں کہ اس کا ایک کنارا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں دوسرا ڈول میں باندھتے ہیں اور اگر رسی موٹی ہو جس میں گرہ نہ لگ سکے تو اس کو تاریا پتلی رسیوں کے ذریعے ڈول سے وابستہ کرتے ہیں، اس صورت میں ڈول کنوئیں میں جا کر پانی لے کر بخیریت اُوپر آجاتا ہے، نہ کیچڑ میں پھنستا ہے اور نہ وہیں رہ جاتا ہے۔

دُنیا ایک گہرا کنواں ہے جس میں درست عقائد اور نیک اعمال کا شفاف پانی بھی ہے، جس سے آخرت کی کھیتی ہری ہوتی ہے اور یہاں بدعقیدگیوں بدعملیوں کی کیچڑ بھی ہے ہم لوگ ڈول کی طرح یہاں نیک اعمال کا پانی لینے آئے ہیں۔

ربّ تعالٰی نے اعلان فرمادیا ہے،

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ’ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کیلئے۔‘

مرضی الٰہی تھی کہ میرے بھولے بندے دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر رہ نہ جائیں وہاں سے بخیریت اعمال وعقائد کا پانی لے کر آئیں تو اس رحیم وکریم نے اس ذاتِ کریم کو ہم میں بھیجا، جن کا ایک ہاتھ رب کے دستِ قدرت میں ہے اور دوسرا مخلوق کی دستگیری کے لیے اِدھر اُدھر پھیلا ہوا ہے انہیں کا نام ” حبل اللّٰہ المنین “ یعنی اللّٰہ کی مضبوط رسی ہے۔

جس نے اللّٰہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑ لیا، اس نے اللّٰہ کا دستِ کرم پکڑ لیا خود فرماتا ہے

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم

’جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللّٰہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللّٰہ عزوجل کا ہاتھ ہے۔‘

پھر خیال رہے کہ جیسے ڈول موٹے اور مضبوط رسے سے بلاواسطہ نہیں بندھ سکتا، بلکہ اسے تاروں اور چھوٹی رسیوں کے ذریعے باندھا جاتا ہے اسی طرح ہم لوگ براہِ راست حضور کے دامن سے وابستہ نہیں ہو سکتے اس وابستگی کے لیے ولایت کے مضبوط تار کی ضرورت ہے، ہمارے مشائخ ہم کو حضور صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں اور حضور صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اللّٰہ تعالٰی تک۔

بھیکا وہ سر کوڑ میں جو جانیں گر کو اور　　　　رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھوڑ

فقیر کی اس تقریر سے ضرورتِ رسالت بھی ثابت ہوگی اور ضرورتِ ولایت بھی ولی کتنا ہی اونچا ہو رب تک نہیں پہنچ سکتا، وہ حضور تک پہنچائے گا، خدا تک پہنچانا حضور کا اور صرف حضور صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی کام ہے تانگہ کتنا ہی قیمتی ہو گجرات والوں کو کراچی نہیں پہنچا سکتا، تانگہ صرف ریل گاڑی تک ہی پہنچائے گا اور ریل کراچی تک۔

جب یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ عقیدہ رسالت کے لیے تین باتیں ماننا ضروری ہیں، ایک یہ کہ ہم براہِ راست رب تعالٰی سے کوئی نعمت نہیں لے سکتے جو کچھ ملے گا وسیلہ رسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملے گا ورنہ رسالت کی ضرورت ہی نہ رہتی اور دنیا میں رسول کی تشریف آوری بالکل بے کار ہوتی، کیونکہ ہم لینے والے، رب دینے والا۔ پھر رسول اللّٰہ کی کیا ضرورت رہی؟

تیسرے یہ کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دینے والے رب کو بھی جانتے ہیں اور لینے والے اُمتیوں کو بھی پہنچانتے ہیں کہ ان دو علموں کے بغیر لینا اور دینا متحقق نہیں ہوسکتا۔

جو لوگ وسیلۂ نبوت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نعمت رب سے بلا واسطہ لو، در حقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے انکاری ہیں اور کلمہ طیبہ کی دوسری جز محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہیں، کیونکہ جب ہر چیز رب سے ہم خود لے سکتے ہیں تو ان کی پھر کیا ضرورت رہی؟ نعوذ باللّٰہ منہ

اس تقریر سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ رسول کی نسبت اللہ تعالیٰ سے لینے کی ہے ہم سے نسبت ہے عطا کرنے کی اس ہی لیے انہیں رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ سے لینے والے اور ہم انہیں رسولنَا بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہم کو دینے والے، ان دو نسبتوں میں ان کے کمالات کا اظہار ہے اس لیے قرآن کریم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسولُ اللّٰہ بھی کہا گیا ہے اور رسولکم بھی فرمایا گیا ہے

رسول کی شان

دُنیا میں ہم بھی ربّ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں اور رسول بھی، مگر ہماری آمد قرآن کریم نے خلق یعنی پیدائش فرمایا کہ ارشادِ ربانی ہوا خلقکم وَ ما تعملون اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور فرمایا و ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون اور فرمایا گیا خلقکم والذینَ من قبلکم اللہ نے تم کو اور ان کو پیدا فرمایا جو تم سے پہلے گزرے۔ مگر رسول کی دنیا میں تشریف آوری کو بعثت اور 'رسالت' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا، ھو الذی بعث فی الامین رسول وہ اللہ وہ جس نے بے پڑھو میں رسول بھیجا اور فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ' بالھدیٰ و دین الحق اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ غرضیکہ لفظ بعثت اور رسالت صرف نبیوں کے لیے استعمال ہوا ہے ہمارے واسطے نہیں، یعنی ہم اللہ کی صرف مخلوق ہیں اور رسول اس کی مخلوق بھی ہیں رسول بھی اور اس کے مبعوث بھی اس فرق کی چند وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ ہم دنیا میں اپنے کام کے لیے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول دنیا میں رب کے کام کے لیے رب کی ذمہ داری پر تشریف لاتے ہیں جیسے کہ کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لیے جائے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر حکومت کے کام کیلئے جائے،

دوسرے یہ کہ رسول ہماری طرح بے بس نہیں وہ رب سے لے بھی سکتے ہیں اور ہم کو دے بھی سکتے ہیں۔ اگر وہ براہِ راست رب سے لینے پر قادر نہ ہوں پھر انہیں خود ایک اور رسول دینے کی ضرورت پیش آئے گی۔

یقیناً دونوں کے جانے میں فرق ہے کہ سفر کے تمام اخراجات اس حکومت کے ذمہ ہوں گے اس کی ہر بات حکومت کی بات ہوگی خود اپنی ذِمّہ داری پر جانے والے کے۔

دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بننے کے لیے آئے ہیں کہ درست عقائد اختیار کر کے مومن بنیں نیک اعمال کر کے متقی پرہیز گار بنیں مگر رسول دوسروں کو بنانے کے لیے آتے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ متقی و پرہیز گار بنیں، اسلام کے جہاز میں ہم بھی سُوار ہیں اور رسول بھی، مگر ہم پار لگنے کے لیے آئے ہیں رسول ہم کو پار لگانے کے لیے آئے ہیں جیسے جہاز میں مسافر بھی سُوار ہیں اور کپتان بھی اگرچہ جہاز اور سمندر کا سفر کا مبداء و منتہیٰ ایک ہے مگر مسافر جہاز میں پار لگنے کے لیے سُوار ہوئے ہیں اور کپتان پار لگانے کے لیے، اسی فرق کی بنا پر مسافر کرایہ دے کر سُوار ہوتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

تیسرے یہ کہ ہم دنیا میں نہ سمجھ آتے ہیں اور یہاں آ کر سیکھتے ہیں، اور وہ حضرات سب کچھ رب سے سیکھ کر آتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے آتے ہیں اسی لیے ہم لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں، مگر رسول گندے ماحول میں آ کر ستھرے رہتے ہیں، یعنی ہمیں ماحول بدلتا ہے اور وہ ماحول کو بدلتے ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ارشاد فرمایا، **اتانی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکاً اینما کنت واوصانی بالصلوۃ والذکوۃ ما دمت حیاً وّ برآم بوالدتی** میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی مجھے نبی بنایا، اور مجھے برکت والا بنایا، جہاں میں بھی رہوں اور مجھے نماز و پاکیزگی کا حکم دیا، جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا۔

اس آیتِ کریمہ کے سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے یعنی سب کچھ بنکر سیکھ کر یہاں آیا ہوں، یہ ہے رسول کی شان، ہمارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدائشی عارفِ کامل رسول ہیں، اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔

زمانۂ پرورش بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جب بچوں نے کھیل کی دعوت دی تو اس عمر شریف میں زبانِ فیض ترجمان سے فرمایا، **مَا خلقنَا لِھٰذا** ہم اس کام کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

یہ ہے رسول کی فطرت یہ ہے رسول کی دنیا میں تشریف آوری کی شان۔

جو لوگ رسول کی اپنی طرح بے خبر یا علم یا نبوت سے پہلے گمراہ و بے دین مانتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی شان کے منکر ہیں، اگر رسول ہماری طرح اصلاح طلب ہوتے انہیں ایک اور رسول کی ضرورت ہوتی جو ان کی اصلاح کرتا اور جس کی اُمت یہ ہوتے۔

خیال رہے کہ سب سے بڑا کامیاب وہ شخص ہے جو پاک ستھرا ہو کر جئے رب کا نام جپے اور نماز کا پابند رہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔

قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ بے شک کامیاب ہو گیا وہ جو پاک وصاف ہوا اور جس نے

اپنے ربّ کا نام جپا اور نماز پڑھی۔

معلوم ہوا کہ پاکی اور صفائی کامیابی کا پہلا زینہ ہے، سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون ہے؟

یہ بھی قرآنِ کریم نے ہی بتا دیا کہ ارشاد فرمایا، **ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ** ہمارے نبی ان لوگوں کو پاک وصاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔

اور فرماتا ہے، **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا** آپ ان کے صدقے قبول فرمالو ان کے ذریعے آپ انہیں پاک وصاف فرمادو۔

پتہ لگا کہ پاک ہونے والے ہم ہیں اور پاک کرنے والے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ہمارے پاس چار چیزیں ہیں، ’جسم، دماغ، دل، روح‘ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بھی ہمیں چار چیزیں عطا فرمائیں، ’شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت‘ شریعت سے ہمارے جسم کو پاک فرمایا، طریقت سے ہمارے دماغ وخیالات کو پاکیزگی بخشی، حقیقت سے دل کو اور معرفت سے روح کو پاک صاف فرمایا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مرکز جسم پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہے، طبیعت کا مرکز دل شریف، حقیقت کا سرچشمہ روح مصطفوی اور معرفت کا مرکز سرّ نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہم کو چار قسم کی گندگیاں دور فرمانے کے لیے چار قسم کے پانی بخشے رہا ہمارا نفسِ امارہ وہ نجس لعینہ ہے، جو کسی پانی سے پاک وصاف نہیں ہوتا اس کو پاک وصاف فرمانے لیے عشق مصطفوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آگ عطا فرمائی جس سے نفس کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دو، تبدل حقیقت ناپاک کو پاک کر دیتا ہے۔

بہر حال مخلوق کو رسول کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے زمین کو پانی کی، چمن کو بارش کی زمین کا کوئی حصہ کسی وقت بارش سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، ایسے ہی کوئی فرد بشر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو، کسی زندگی موت قبر ونشر میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اور جیسے چمن کا ہر برگ و بار گل وخار بارش کا مرہون منت ہے یونہی مخلوق کا ہر کمال بارگاہِ نبوت کا رہین کرم ہے، ان ہی کے ربّ کی قسم جو جسے ملا انہی کے ہاتھوں ملا

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا ‏ بٹتی ہے کون میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار ‏ کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو بارانِ کرم حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سیرابی نصیب ہو۔ آمین

ایک شبہ

ہماری اس تقریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور ربّ کے درمیان حضرت جبرائیل کا واسطہ کیوں رکھا گیا وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا، ربّ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جاعل الملئکۃ رسلاً اولی اجنحۃٍ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بازوؤں والے قاصد بنایا۔

اور فرماتا ہے نزلہ' روح القدوس علی قبلک حضرت جبرائیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اُتارا۔

ان آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے، ایسے ہی رسول بلا واسطہ اس سے نہیں لے سکتے وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجت مند ہیں، جنہیں شریعت کی زبان میں روح القدس یا جبرائیل کہتے ہیں، اسی لیے قرآن کریم نے حضرت جبرائیل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔

اس شبہ ازالہ

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرائیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لیے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے لیے، رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیجا ہے مگر قوانین الٰہیہ کا بندوں میں اجراء اس وقت ہوگا، جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا اس کے دلائل چند ہیں۔

ربّ العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی، ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہو کہیں ھُدًی لَّک نہ فرمایا۔

دوسرا یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس سال بعد شروع ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صدق وامانت راست گفتاری و پاک بازی کا مرقع تھی حتیٰ کہ کفار نے آپ کو امین وصادق الوعد کا خطاب دیا تھا۔

اگر آپ کی ہدایت نزولِ قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہلِ عرب کے سے گزرتے احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اس دراز مدت میں شرک وکفر تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا، بتاؤ یہ ہدایت کس فرشتہ یا وحی کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لی تھی؟

تیسرا یہ کہ پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف نماز سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول تھے، غور کیجئے کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکاں میں پہنچ کر عطا ہوا اور معراج کے سویرے

فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی ، ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرئیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھاتے رہے جب نماز پنجگانہ جاری کی گئی ۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کی نماز پڑھائی ، اس طرح کہ آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء کرام مقتدی جن میں سے بعض مؤذن بعض مکبّر غور تو کرو کہ نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں ۔

اور کن کو نماز پڑھائی ماوشما کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی اُمتوں کو نماز پڑھاتے ، بتاتے ، سکھاتے رہے ، یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہئے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہو جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہو ۔

پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی بواسطہ جبرائیل علیہ السلام نہ ہوتی تھی ، وحی کا پیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبرائیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر القاء ہوتا تھا ، ربّ تعالیٰ فرماتا ہے ، **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الٰہی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے ۔

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرائیل امین وحی لے کر نہ آتے تھے اور فرماتا ہے ، **ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ** پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے چنانچہ دو کمانوں میں ہو گئے پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سو کی ۔

ظاہر بات ہے کہ اس قربِ خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی ہے ، وہاں جبرئیل امین کا گمان و خیال بھی نہ پہنچ سکا تھا ۔

غنچے ما اوحیٰ کے وہ چٹکے دنیٰ کے باغ میں ... بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ ربّ العالمین اور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان جناب جبرائیل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لیے ہے نہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محض علم کے لیے ورنہ پھر جیسے ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبرائیل امین کے اُمتی ہوتے اور جیسے ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبرئیل امین کا کلمہ پڑھتے ۔

نبی

اس مضمون کے دو حصے ہیں ایک اسلام میں نبوت کا درجہ دوسرے اسلام میں نبی کا مقام، خیال رہے کہ مدارِ نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے اور مدار ایمان محبت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مدارِ نجات محبت ہے اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ شیطان خدا کی ذات وصفات جنت ودوزخ، حشر ونشر، تقدیر وملائکہ وغیرہ سب کا قائل تھا، مگر نجات نہ پاسکا، خود کہتا ہے، **وبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین** تیری ہی عزت کی قسم میں ساری اولادِ آدم کو بہکاؤں گا سوا تیرے خلوص والے بندوں کے۔ معلوم ہوا کہ ربّ کی ذات وصفات سے واقف ہے نیز وہ جانتا ہے کہ مخلص بندے ایسے داؤ سے ماہر ہیں، یعنی تقدیر کا قائل ہے اور عرض کیا تھا، **انظرنی الی یوم یبعثون** مولا مجھے اس دن تک مہلت دے جب سب اُٹھائیں جائیں گے۔ پتہ لگا کہ قیامت اور احوال قیامت کو جانتا مانتا ہے ربّ نے فرمایا تھا، **لاملئن جھنم ممن تبعک** میں تیرے اتباع کرنے والوں سے دوزخ بھر دوں گا۔

پتہ لگا کہ جنت ودوزخ سے بھی خبردار ہے۔ غرضیکہ سارے ایمانیات کو مانتا ہے، انکاری ہے تو نبوت کا لہٰذا پھٹکار کا مستحق ثابت ہوا، نبوت کو توحید کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سو یا ہزار کے نوٹ کی تحریر کو اس کے کاغذ کے ساتھ ہے کہ جب نوٹ سرکاری تحریر کے ساتھ ہو تو ایک وقت نہیں بلکہ ہر وقت سو روپیہ قیمت رکھتا ہے لیکن اگر یہ سرکاری تحریر مٹا دی جائے تو صرف کاغذ کی کوئی قیمت نہیں یونہی بازارِ قیامت میں اسی توحید کی قیمت ہوگی جس پر نبوت کی مہر ہوگی۔

دوسرے یہ کہ کلمہ طیبہ نام ہے کلمہ توحید کا (وحدانیت کا) مگر اس کے دو جز ہیں **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُول اللّٰہ** پہلے جز میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں نبوت کا خیال کرو کہ نام کلمہ توحید اور اس میں ذکر دو کا معلوم ہوا کہ پہلے جز میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اس کی سرکاری مہر کا جس سے یہ توحید ایمانی توحید نبی۔

اگر فقط توحید نجات کے لیے کافی ہوتی تو اس کلمہ طیبہ میں یہ دوسرا جز قطعاً نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہم لوگوں کو **الذین وحدوا** کہیں نہ فرمایا، ہم مردوں کو مومنین اور عورتوں کو مومنات کا خطاب دیا موحدین یا موحدات سے کہیں مخاطب نہ فرمایا۔

چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے سکھ، آریہ بلکہ بعض عیسائی بھی، لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا اور نہ ان کی نجات ممکن کیوں؟ صرف نبوت کے انکار سے توحید کو نبوت کے شیشہ میں دیکھو، کعبہ معظمہ کا نظارہ سبز گنبد کی سنہری جالیوں کے جھرکوں سے کرو، تب مومن بنو گے۔

پانچویں یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک دنیا میں بہت سے آسمانی دین آئے اوران سب کو الگ الگ دین مانا گیا کیوں؟ اسلئے کہ ان دینوں کی توحیدیں مختلف تھیں اس لیے نہیں کہ ان ادیان میں حشر و نشر جنت، دوزخ وغیرہ کے عقائد میں اختلاف تھا، تمام دین ان چیزوں یکساں مانتے تھے اس کے باوجود مختلف تھے، اس لیے کہ ان کی نبوتیں مختلف اور نبی جدا تھے دین موسوی اور تھا دین عیسوی کچھ اور کیوں؟ اس لیے دین موسوی کے نبی موسیٰ علیہ السلام اور دین عیسوی کے جناب عیسیٰ علیہ السلام۔

معلوم ہوا کہ دین بنتا ہے نبوت سے خالی توحید اور دین رب نے کبھی دنیا میں نہیں بھیجا۔

چھٹے یہ کہ چونکہ قبر میں مردے سے توحید اور دین کے سُوال کے بعد نبوت کا سُوال ہوتا ہے **ما کنت تقول فیْ هذا الرجل** تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا اگر فقط عقیدہ توحید کافی ہوتا تو پہلے جواب (ربی اللہ) پر ہی مردہ بخش دیا جاتا ہے۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارومدار صرف عقیدہ توحید پر نہیں، بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر،

نوٹ ضروری جو مردے دفن نہ کیے جائیں مثلاً ان کو شیر کھا جائے یا ڈوب کر جل کر ہلاک ہو جائیں یا یونہی انکی لاشیں عرصے تک پڑی رہیں ان سے بھی یہ سُوال اور بعد سوال سزا جزا ہوتی ہے مگر صرف روح سے جسے کوئی بھی محسوس نہیں کر سکتا، ماں کے پیٹ میں فرشتے پہنچ کر سب کچھ لکھ جاتے ہیں مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔ گذشتہ تقریر میں بیان کئے گئے دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارومدار صرف توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔

لطیفہ اس سلسلہ گفتگو میں جب سوالات قبر کا ذکر آ گیا ہے تو ایک ایمان افروز پُر لطف بات بھی سن لیجئے......

نکیرین قبر میں مُردے سے تین سُوال کرتے ہیں۔

(۱) **مَنْ رَّبُّکَ** تیرا ربّ کون ہے؟ بندہ کہتا ہے: اللّٰہ

نکیرین کہتے ہیں،

(۲) **مَا دِیْنُکَ** تیرا دین کیا ہے؟ بندہ مومن کہتے ہیں: اسلام

پھر کہتے ہیں،

(۳) **مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِی هٰذا الرَّجلِ؟** تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ مومن بندہ کہتا ہے: اللّٰہ کے سچے رسول

مگر طرز سُوال میں فرق میں ہے۔ توحید و دین کے سوال میں لفظ "هٰذا" نہیں مگر نبوت کے سُوال میں هٰذا موجود ہے، یعنی جیسے پوچھا گیا تھا کہ ربّ تیرا کون ہے، دین تیرا کیا ہے؟ ایسے ہی یہ نہ کہا گیا کہ نبی تیرا کون ہے، عجیب لطف ہے کہ سُوال تین ہیں اور نیت سُوال دو! وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اور دین، میت کو دکھایا نہیں جاتا تا کہ اس کی طرف لفظ ھذا سے اشارہ کیا جا سکے اور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جمال میت کو دکھایا کر کہا جاتا ہے کہ دیکھ وہ گورے چہرے والے کالی زلفوں والے کون ہیں اور تو انہیں جیتے جی کیا کہتا تھا، بھائی کہتا تھا یا آقا، اپنی مثل کہتا تھا یا بے مثال نبی!

یہاں دو اعتراض ہیں: ایک یہ کہ بیک وقت مختلف مقامات پر ہزار ہا مردے دفن ہوتے ہیں اور ایک ہی ساعت اور ایک ہی آن میں ان ہزار ہا مقامات پر سوالات قبر ہوتے ہیں اور ایک جمال اتنی جگہوں سے کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: کہ ایک سورج بیک وقت ہزار ہا جگہ سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہر جگہ اشارہ کر کے کہا جاتا ہے، یہ سورج ہے بلکہ ہزار ہا جگہ سے لاکھوں شیشیوں میں اپنی تجلی شعاعیں اور تیزی وچمکاہٹ ڈال دیتا ہے یہ تو آسمانی مثال تھی۔

آج سائنس کے دریافت کردہ ٹیلی ویژن نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ہر جگہ نظر آ سکتا ہے اور اس کی آواز لاکھوں جگہ سنی جاتی ہے جب نار کی طاقت کا یہ حال ہے تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے: کہ ہم مسلمان جنہوں نے زندگی میں کبھی جمال مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی وہ قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانیں گے اور ابوجہل وغیرہ کفارِ مکہ نے عمر بھر حضور کو دیکھا تھا وہ کیوں نہ پہچان سکے؟

اس کا جواب یہ ہے: کہ مادی تعلقات میں پہچان دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے مگر روحانی اور ایمانی تعلق میں پہچان اس آنکھ کے دیدار پر موقوف نہیں، زندگی میں جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایمانی رشتہ رہا، وہ ضرور پہچان لے گا، اگر چہ کبھی نہ دیکھا ہو اور جسے ان سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رشتہ ایمانی نہ رہا وہ ہرگز نہ پہچان سکے گا، اگر چہ مرتے وقت تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتا رہا ہو۔

بعض خوش نصیب خواب میں اور بعض اہل کمال حضرات کشف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان کر فدا ہو جاتے ہیں۔

بہرحال یہ مسئلہ بالکل واضح کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ھٰذا ذہنی اشارے کے لیے ہے، حسی اشارہ کے لیے نہیں یعنی مردے کو جمال مصطفوی دکھایا نہیں جاتا بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ صاحب کون ہیں جو تیرے علم میں ہیں مگر یہ غلط ہے۔

اوّلاً تو اس لیے کہ ذہن میں تو دین بھی موجود تھا مُردے کو بھی اللہ تعالیٰ کا علم تھا، تو ان دونوں کی طرف ھٰذا سے ذہنی اشارہ کیوں نہ کیا گیا۔

دوسرا اس لیے کہ کافر، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خالی الذہن ہوتا ہے اگر کوئی جمال اس کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا تو وہ سوال سن کر فوراً کہتا کہ کس کے بارے میں پوچھتے ہو وہ یہ نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے "ھا ھا لا ادری" میں انہیں پہچانتا نہیں، معلوم ہوا کہ کوئی جمال اس کے سامنے ہے جسے دیکھ رہا ہے مگر پہچان نہیں رہا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملائکہ مردے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر دکھاتے ہیں مگر یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ وہ تصویر نہ رَجُل ہے نہ نبی اس تصویر کو رَجُل کہنا غلط ہوتا ہے اور نبی بتانا کفر ہوتا۔

نیز اگر تصویر ایک ہی ہے جو ہر جگہ دکھائی جاتی ہے تو پھر وہی سُوال پیدا ہوگا، کہ ایک تصویر بیک وقت لاکھوں مقامات پر کس طرح نظر آرہی ہے اور اگر تصاویر چند ہیں تو بھی غلط ہے اور اگر تصاویر چند نہیں تو بھی غلط کیونکہ سُوال کرنے والے فرشتے وہی ہیں۔

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ نجات کا مدار توحید پر نہیں ہے بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔

نبی یہ لفظ نَبَاءٌ بمعنی خبر کا صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں خبر والا، جیسے کریم کرم والا۔ رحیم، رحم والا۔ حُسین، حسن والا۔ ایسے ہی نبی خبر والا۔ اس خبر دار ہونیوالا میں تین احتمال ہیں۔

خبر دینے والا، خبر لینے والا اور خبر رکھنے والا۔

اگر اس کے معنی ہوں خبر دینے والا تو غور طلب مسئلہ یہ ہوگا کہ کون سی اور کہاں کی خبر دینے والا۔ اخبار ریڈیو، تار، لفافے، وائرلیس، ٹیلیفون وغیرہ اور بی بی سی کا محکمہ یہ سب ہی خبر دینے والا اور شرعی مسائل بتانے والا نبی ہے تو ہر عالم، ہر مجدّد و مجتہد یہ خبریں دیتا ہے مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔

بہر حال کوئی خاص ہی خبر ہونی چاہئے جس کا پہچانے والا نبی کہلائے لہٰذا تحقیق یہی ہے کہ فرش والوں کو فرش کی خبر دینے والا اور عالم شہور کی باتیں بتانے والا اخبار یا تار ہے۔ اور کتب یا اجتہاد سے مسائل بتانے والا عالم یا مجتہد ہے مگر فرش والوں کو عرش کی خبریں دینے عالم غیب کی باتیں بتانے والا نبی ہے، جہاں خبر رسانی کے اسباب معطّل اور بے کار ہوں وہاں کی خبریں دینے والی ذات نبی ہے۔ جو لوگ نبی کے علوم غیبیہ کا انکار کریں وہ درحقیقت ان کی نبوت کے منکر ہیں اور جو لوگ کہیں کہ نبی صرف مسائل شرعیہ جانتے ہیں اور دنیا والوں کو صرف وہی بتانے آتے ہیں، وہ لوگ نبی اور عالم مجتہد میں کیا فرق کریں گے، میں آپ کو چند روایتیں سناتا ہوں جن سے پتہ لگے گا کہ نبی کہاں کی خبر دیتے ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ مغموم سے بیٹھے تھے فرمایا جابر کیا بات ہے غم زدہ کیوں ہو؟ عرض کیا میں غم زدہ کیوں نہ ہوؤں، میرے والد حضرت عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہوگئے، لڑکیاں اور قرض چھوڑ گئے یعنی ان کی جدائی کا غم اپنی بہنوں و قرض کی فکر دونوں ہی مجھ میں جمع ہوگئی ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں کچھ بتائیں، جس سے تمہارا غم غلط ہو جائے عرض کیا حضور! ضرور۔ فرمایا آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا، تمہارے والد وہ پہلی میت ہیں، کلمہ ربہ کفاحا کہ ان سے ان کے ربّ نے بے حجابانہ کلام فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شوق پیدا ہوا کہ وہ کلام بھی سن لیں۔ فرمایا رب تعالیٰ نے تمہارے والد سے ارشاد کیا تَمَنَّ (کچھ آرزو کرو) آپ کے والد نے عرض کیا مولا تو نے مجھے سب کچھ دیا، کس چیز کی آرزو کروں؟ فرمایا ضرور کچھ آرزو کرو، عرض کیا کہ مولیٰ یہ آرزو ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے، پھر وہی میدان اُحد کی تپتی ہوئی زمین ہو اسی طرح پھر خون میں نہاؤں اور تیری راہ میں سر کٹاؤں، جو مزہ تیری راہ میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا تب رب تعالیٰ نے فرمایا، کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی کو آزما کر یا کسی کو پاس کر کے دوبارہ آزمائیں۔

اسی طرح ایک بی بی صاحبہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا اکلوتا جواب بیٹا آپ کے ساتھ جہاد میں شہید ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر اس کے خلاف ہو تو میں اس پر ایسا روؤں گی جس کی زمانے میں یادگار رہے گی۔ فرمایا، اللہ کی بندی جنت کے آٹھ طبقے ہیں تیرا بیٹا جنت کے سب سے اعلیٰ طبقے فردوس میں ہے۔

یونہی ایک شخص کو زمانہ اقدس میں سزاء سنگسار کیا گیا کسی نے اس کی سنگساری کے بعد اسے بُرائی سے یاد کیا، فرمایا تم اُسے بُرا کہہ رہے ہو اور وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

دیکھو! سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین مدینہ میں تشریف فرما ہو کہاں کی خبریں دے رہیں ہیں وہاں کی خبر جہاں رسانی کے سب ذرائع مفقود ہیں۔

پھر پوچھنے والوں کے سُوال پر یہ نہیں فرماتے کہ میں مدینہ میں ہوں اور جبرائیل امین کو آنے دو، ان سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ بلا تامل سُوال سنتے ہی جواب ارشاد فرما دیا اور صحابہ کرام کا اس قسم کے سُوالات بارگاہِ رسالت میں پیش کرنا بتا رہا ہے کہ وہ حضرات اس کے معتقد تھے کہ نبی ہوتا ہی اس عقیدۂ صحیحہ کی رجسٹری فرما دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کو اسی طرح خبر داری علم سے ثابت فرمایا۔ خود فرماتا ہے وَعلمہ آدم الاسماء کلھا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چھوٹی بڑی حقیر و عظیم اعلیٰ ادنیٰ چیزوں کے نام سکھا دیئے اور صرف سکھا نہ دیئے بلکہ ذرے سے پہاڑ تک قطرے سے دریا تک زمین سے آسمان تک ما کان وما یکون کا سارا علم سکھا دیا (تفسیر جلالین وغیرہ) اور زمین تک سے آسمانوں تک کی ہر چیز ان کو دکھا بھی دی۔ فرماتا ہے، ثم عرضھم علی الملئکۃ معلوم ہوا کہ نبی کہتے ہی خبردار کو ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت کو خبر داری اور علم سے ثابت فرمائی کہ فرمایا، وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم یعنی میں تم کو خبر دیتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور بچاتے ہو۔ لفظ نبی کو دیکھو اور اُنبئکم کو دیکھو دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہی ہے، یعنی خیال رہے کہ تاکلون فعل مضارع ہے جس میں حال اور استقبال دونوں ہیں، اگر اس کے اول میں "س" آ جائے تو مضارع مستقبل ہوتا ہے جیسے "سیقول السفھاءُ" اور اگر لام آ جائے تو بمعنی

حال ہوتا ہے، جیسے لتمرون علیھم (قرآن) اور اگر دونوں سے خالی ہو تو بمعنی حال اور استقبال دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں تاکلون اور تدخرون دونوں لام اور اس سے خالی ہیں ان دونوں کے معنی بعموم یہ ہو سکتے ہیں کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور مرتے وقت تک کھاؤ گے اور جو کچھ بچاتے ہو اور جو کچھ مرتے وقت تک بچاؤ گے یعنی کھیت کی پیداوار کے ہر دانے باغوں کے ہر پھل پانی کے ہر قطرے کے متعلق مجھ کو علم ہے کہ اس کو کون کھائے پئے گا یہ ہے نبی کی خبرداری یعنی نبی کی شان یہ ہے کہ وہ خالق کی بھی خبر رکھے اور مخلوق کی بھی، مخلوق میں آسمانوں کی بھی خبر رکھتا ہو۔

اور زمین وزمینی چیزوں کی بھی جیسے قابل طبیب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی رگ رگ کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی ہمارے حضور کا ہاتھ ہر ایک کی نبض جان وایمان پر ہے اس کے لیے صرف چند حدیثیں پیش کرتا ہوں۔

مشکوٰۃ شریف باب مناقب سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ میں ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف فرما ہیں، رات کا وقت ہے، آسمان صاف ہے تارے جگمگا رہے ہیں، حضرت ام المومنین نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کوئی شخص ایسا بھی جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں، غور تو کرو کتنا اہم سوال ہے کیونکہ تارے مختلف آسمانوں پر ہیں پہلے آسمان سے لے کر ساتوں آسمان تک ہیں جن میں بعض اتنے چھوٹے بھی جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئے اور بعض وہ بھی جو آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے، آسمان میں گزر جاتے ہیں اور اسی طرح تا قیامت مسلمانوں کی نیکیاں مختلف قسم کی ہیں، بعض غاروں بعض پہاڑوں میں بعض اندھیری راتوں میں دن کی روشنی میں بعض خلوتوں میں بعض جلوتوں میں غرضیکہ یہ سوال عرش وفرش کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں ہوں اور اس کی نظر ان دونوں کے ہر فرد پر ہو، معلوم ہوا کہ ام المومنین کا عقیدہ یہ تھا ۔

سر عرش پر ہے تیری نظر دل فرش پر ہے تیری نظر ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ اے عائشہ تمہاری طرح میں بھی زمین مدینہ میں ہوں مجھے کیا خبر کہ قیامت تک میری اُمت کہاں ہوگی، اور کتنی نیکیاں کریگی اور مجھے کیا خبر کہ کس آسمان پر کتنے تارے ہیں مجھ سے تو روزے نماز کے مسائل پوچھو نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے، یا رب تعالی سے ہی پچھوا لیں گے، نہ یہ فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ، ٹوٹل لگا لیں نہ یہ فرمایا کہ ذرا ٹھہر جاؤ سوچ لیں، بلکہ بلا تامل فوراً فرمایا کہ ہاں ایک شخص ہین جن کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں اور وہ ہیں جانب عمر، ام المومنین نے عرض کیا کہ میرے والد جناب صدیق اکبر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا ان کی ہجرت کی رات کی خدمت جناب عمر کی تمام نیکیوں سے افضل ہے، پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ہر نیکی سے خبردار ہیں، یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی، بخاری شریف جلد اول باب سہم غرب میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت حارث غائبانہ تیرے سے

شہید ہوگئے ان کی والدہ حاجر بارگاہ میں حاضر ہوئیں، بولیں یارسول اللہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہو تو میں صبر کروں ورنہ میں اپنے بیٹے کو ایسا روؤں گی کہ لوگوں میں چرچا ہو جائے گا، یہاں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مائی مجھ کو کیا پتہ جہاں تو ہے وہاں میں ہوں اور نہ یہ فرمایا کہ جبرئیل امین کو آنے دو ان سے پوچھ کر بتائیں گے، بلکہ فرمایا کہ اللہ کی بندی جنتیں آٹھ ہیں جن میں سب سے اونچا طبقہ جنت الفردوس ہے، تیرا بیٹا اس میں ہے یہ ہے ہمارا خبردار نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

مشکوۃ شریف باب فضل صدقہ کتاب الزکوۃ میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا۔ ''یا حبیب اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہم میں سے سب سے پہلے آپ سے کون ملے گا؟'' فرمایا۔ ''تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہمیں پہلے ملے گی''۔ ہم نے اپنے ہاتھ ناپے تو بی بی سودہ ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والی ہے، چنانچہ سب سے پہلے بی بی زینب کی وفات ہوئی کہ سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں غور تو کرو، کہ اس مختصر سے سُوال میں کتنی باتیں پوچھ لیں، ہر ایک کی وفات کا وقت کہ کس کی وفات کب ہوگی، وفات کی نوعیت کہ ہم سب کی وفات ایمان پر ہوگی یا نہیں، بعد وفات اپنا مقام کہ ہم کہاں ہوں گے آپ کے پاس یا کہیں اور کیونکہ انہوں نے یہ پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گی، یہاں بھی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ یہ علوم خمسہ ہیں مجھے کیا خبر نہ یہ فرمایا جبرئیل امین سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فوراً تسلی بخش جواب دے دیا، یہ ہیں ہمارے خبردار نبی، بخاری شریف الطہار کے باب تنزمن البول میں حدیث پاک ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک مقام پر سے گزر رہے تھے دو قبریں ملاحظہ فرمائیں، فرمایا ان قبروں میں نہایت معمولی گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے، ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اُنٹ چراتا تھا اور ان کے پیشاب سے بچتا نہ تھا، پھر ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کیئے ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ دی اور فرمایا کہ جب تک شاخ تر رہے گی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں قبروں میں عذاب ہلکا ہوگا، اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نگاہ کے لیے کوئی مٹی آڑ نہیں بن سکتی آپ غائب اور حاضر کو یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں، دیکھو عذاب قبر ہزاروں من مٹی کے نیچے زمیں کے اندر ہو رہا ہے اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم زمیں کے اوپر تشریف فرما ہیں مگر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نگاہ اس عذاب کو دیکھ رہی ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر شخص کے ہر نیک و بد عمل کی خبر رکھتے ہیں، دیکھو ان قبر والوں کا اپنی زندگی میں چغلی کھانا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا ایسے کام تھے جو یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے نہ کرتے تھے، مگر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ان کا پتہ تھا، معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے خبردار ہیں، یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی، قبر پر سبز گھاس، ہری شاخ پھول وغیرہ لگانا سنت سے ثابت ہے اس سے قبر کا عذاب ہلکا ہوتا ہے۔

نبی بمعنی خبر لینے والا

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دنیا میں قبر میں حشر میں ہر جگہ اپنی امت کی دستگیری فرماتے ہیں خبر لیتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے خلق کی خبر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لیں گے، پھر حساب کتاب شروع ہوگا۔لیکن حالات قیامت کی ابتداء حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دستگیری شروع ہوگی، جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث میں ہے۔

نکتہ ﴾ مجمع قیامت میں شفیع کو ڈھونڈنے والے محدثین، مفسرین، علما، فقہا، اولیا، صوفیا، غوث وقطب سب ہی ہوں گے مگر کسی کو یاد نہ ہوگا کہ آج شفاعت کا سہرا صرف نبی کریم کے سر مبارک پر ہے حالانکہ دنیا میں اُن سب کا عقیدہ تھا کہ شفاعت کا دروازہ صرف حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کھولیں گے، مگر وہاں ایسے بھولیں گے کہ کسی کو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نام یاد نہ آئے گا، محض اپنے قیاس سے دیگر انبیاء کرام کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے اور وہ حضرات بھی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا پتہ نہ بتاسکیں گے، خیال سے ہی حضرت نوح و ابراھیم و موسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام وغیرہ ہم کو پتہ بتادیں گے، سوا عیسیٰ علیہ السلام کے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نام کوئی نہیں بتاسکے گا، اس میں کیا راز ہے، حکمت یہ ہے کہ اگر مخلوق پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آستانے پر پر حاضر ہو جاتی اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اُن کی شفاعت فرمادیتے، تو کہو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس شفاعت میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے، ہم اتفاقاً یہاں آگئے اور شفاعت ہوگئی، اگر کسی اور نبی کے پاس چلے جاتے تو بھی شفاعت ہو جاتی سب کی ذہن دوزی کرنے کیلئے پہلے سب دروازوں پر پھرا لیا جائے گا، اور ہر جگہ بھیک منگوالی جائے گی اور سب سے منوالیا جائے گا کہ آج حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سوا کوئی خبر لینے والا نہیں، یہ ہیں ہمارے نبی خبر لینے والے۔

صحابہ کرام ہر حاجت روائی کے لیے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ہی آستانے پر حاضر ہوتے تھے، یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بارش نہیں ہوتی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بارش بہت ہوگئی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں گناہ کر کے آیا ہوں بلکہ کفارِ مکہ بھی حاجات کی دعا کرانے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس آتے تھے جانور تک اپنا ہر دکھ درد حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہی سے عرض کرتے تھے۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیا فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد

اسی در پر شترِ ناشاد شکوۂ رنج و عناں کرتے ہیں

جانور، حجر، شجر سب جانتے ہیں کہ یہ نبی ہماری خبر لینے والے ہیں کیونکہ فریاد اسی کے سامنے کی جاتی ہے جو خبر لے سکے، یہ ہیں نبی بمعنی خبر لینے والا۔

ایمان

یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کے معنی ہیں، امن دینا۔ یہ خدا تعالیٰ کی بھی صفت ہے اسی لیے اس کا نام پاک مومن بھی ہے یعنی اپنے بندوں کو اپنے قہر وعذاب سے امن دینے والا اور بندے کی بھی صفت ہے، اسی لیے مسلمانوں کو قرآن کریم نے مومن فرمایا، یعنی اچھے عقیدے اختیار کر کے اپنے رب کے عذاب سے امن دینے والا، شریعت میں ان عقیدوں کا نام ایمان ہے جن کو اختیار کرنے سے انسان کفر سے بچ جاتا ہے، اور مومنوں کی جماعت میں آجاتا ہے۔

جانِ ایمان

دنیا کی چیزوں میں ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک روح اور روح کے بغیر ڈھانچہ کی کوئی قیمت نہیں، جسمِ انسانی میں جب تک روح ہے تب تک دو قسم کے اکرام کا مستحق ہے، اعلیٰ غذائیں، عمدہ لباس، بہترین مکانات، امیری وزیری، سلطنت روح والے جسم کے لیے ہیں روح نکلتے ہی بجز زمین میں دفن کر دیئے جانے کے اور کسی کام کا نہیں، درخت میں جب تک زندگی ہے تب تک اس میں سبزی پھل پھول سب کچھ ہے، ختم ہوتے ہی چولھے کا ایندھن ہے، بلب، ٹیوبیں، پنکھے وغیرہ تمام ساز وسامان پاور آجانے پر کار آمد ہیں بغیر پاور بالکل بے کار ہیں، اسی طرح روزہ، نماز، حج، زکوۃ، بلکہ ایمان ان سب کا ایک ڈھانچہ ہے، اور ایک روح جاندار عبادات وایمان کی بارگاہِ الٰہی میں قدر وقیمت ہے، بے جان ایمان وغیرہ کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت۔

خیال رکھو کہ کلمہ پڑھنا اور ایمان مجمل ومفصل کو مان لینا ایمان کا ڈھانچہ ہے جانِ ایمان ایک اور صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے نبوت کو الوہیت سے اور نبی کو اللہ سے ملانا، جہاں اللہ اور رسول میں جدائی کی انسان کافر ہوا اور جہاں اللہ کو رسول سے ملایا مومن ہوگیا۔ قرآن کریم کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

ویریدون ان یفرقو بین اللّٰہ ورسلہ	اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق
ویقولون نومن ببعضٍ ونکفر ببعض	وجدائی کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائیں گے
ویریدون ان یتخذوا بین ذالک	اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار
لسبیلا اولیک ھم الکافرون حقاً	کریں، یہ لوگ پکے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے
واعتدنا للکفرین عذاباً مھینا	لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بفتوائے قرآن کریم ثابت ہوا کہ اللہ رسول میں جدائی سمجھنا کفر ہے تو لامحالہ اللہ رسول کو ملانا ایمان ہوا ہے

میں اپنی حیاتی تھے قربان تھیواں   احد نال احمد ملیدے گزر گئی

اس کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ رسول کو خدا مان لیا جائے اور نہ یہ کہ ربّ کو رسول تصور کر لیا جائے اللہ اللہ ہے نبی نبی ہے، بلکہ ملانے کا مطلب بطور تمثیل یوں سمجھو کہ نوٹ میں کاغذ بھی ہے اور شاہی مہر بھی، مہر کاغذ نہیں کاغذ مہر نہیں مگر مہر کاغذ سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ اگر کاغذ سے الگ ہو جائے تو کاغذ بے قیمت ہو جائے، لیمپ کی چمنی ہری ہے تو چمنی کا رنگ بتی کے نور سے ایسا ملا ہوا کہ گھر کے جس کونے میں بتی کا نور ہے وہاں چمنی کا رنگ ہے ایسا کوئی گوشہ نہیں مل سکتا جہاں بتی کا نور تو ہو مگر چمنی کا رنگ نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے، مثل نورہٖ کمشکوۃ فیھا مصباحٌ المصباح فی الزجاجۃ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں، جن میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ توحید الٰہی گویا نور ہے اور ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گویا زجاجہ یعنی چمنی ہے۔ بھلا غور تو کرو کلمہ طیبہ ہے تو توحید مگر اس میں توحید کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی ذکر ہے اور ترتیب ذکر یوں ہے کہ اول جزو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ کا ذکر پیچھے ہے اور جزو دوم یعنی مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ میں حضور کا نام پہلے ہے نہ تو جزو اول میں اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اور نہ جزو دوم یعنی رَسُوْلُ اللّٰہِ محمد میں حضور کا نام محمد بعد میں ہے تاکہ حضور کا نام اللہ کے نام سے ملا رہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام میں لفظ تک کی جدائی منظور نہ فرمائی تو اور جگہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تفریق اور جدائی کیوں کر پسند فرمائے گا۔ قرآن کریم میں بہت جگہ اپنے نام کو حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملایا، چنانچہ فرماتا ہے،

واطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول ’فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔‘

و من یطع اللّٰہ و رسولہ فقد فاز فوزاً عظیما

’جو فرمانبرداری کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ بڑا کامیاب گیا۔‘

واللّٰہ و رسولہ احق ان یرضوہ ’اللہ رسول زیادہ حقدار ہے کہ انہیں راضی کریں۔‘

اغناھم اللّٰہ و رسولہ من فضلہ ’اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔‘

ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللّٰہ و رسولہ ویری اللّٰہ عملکم و رسولہ

’جو اپنے گھر سے نکل پڑا اللہ رسول کی طرف ہجرت کر کے اللہ رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے۔‘

لا تقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ ’اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔‘

فامنوا باللّٰہ و رسولہ ’اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔‘

ولو انھم رضوا بما اتاھم اللّٰہ ’اگر وہ اس پر راضی ہوئیں، جو انہیں اللہ رسول نے دیا۔‘

و قالو سیوتینا اللّٰہ من فضلہ و رسولہ 'اور کہا انہوں نے کہ ہم کواللہ رسول اپنے فضل سے اور دیں گے۔'

اذ تقول للذی انعم اللّٰہ علیہ و انعمت علیہ

'جب آپ کہتے تھے اسی سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا۔'

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاعر خاص حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ضمّ الا لہ اسم النبی باسمہٖ اذ قال فی الخمس الموذن اشھد وا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے نماز پنجگانہ کی تکبیر اور اذان کہہ کر دیکھو کہ موذن اور مکبّر اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ کہتے ہی اشھد ان محمد الرسول اللّٰہ کہتا ہے۔

خیال رہے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب نعت گو صحابی ہیں جن کے ایک ایک شعر پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوم جھوم کر دعائیں دی ہیں ، ان کے اشعار بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبولیت بلکہ داد حاصل کر چکے ہیں ، ذرا اسلامیات میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنے فرائض سے اسی طرح ملایا ہے کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں، نمازِ پنجگانہ میں ظہر کے چار فرض، آس پاس کی سنتیں چھ، نماز مغرب میں فرض تین اور سنتیں نفل چار، وغیرہ پھر فرض پڑھنے لگو تو سبحانک اللھم پڑھنا سنت اعوذ باللّٰہ ، بسم اللّٰہ پڑھنا سنت پھر تلاوتِ قرآنِ کریم فرض ہے رکوع سجدہ فرض، ان کی تسبیحیں سنت، روزہ رمضان فرض، سحری، افطار، تراویح سنت۔

اپنی زندگی کو دیکھو لو بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینا سنت عقیقہ سنت ، ختنہ سنت ، بچے کی پرورش بالغ ہونے کے بعد فرائض ذمے ہوتے ہیں، اس وقت تک ہم سنت کے سائے میں ہی پرورش پاتے ہیں، جیسے کہ روزی کمانا کھانا، نکاح، بیوی کی پرورش سب سنت ہی ہیں، مرتے وقت مرنے والے کو کلمہ پڑھانا سنت، اسے کعبہ رو کرنا سنت، بعد موت کفن کے تین یا پانچ کپڑے سنت، غسل اور دفن کے طریقے سنت، غرضیکہ ہر جگہ فرض سنتوں سے ملے ہی ہوئے ہیں، اسی لیے ہمارا نام اہلِ فرض، اہلِ واجب، اہلِ مستحاب نہیں، بلکہ اہلِ سنت ہے، یعنی زندگی بھر سنت کے سائے میں جینے والے اور قیامت میں سنت والے کے سائے میں رہنے والے بہر حال روحِ ایمان اللہ رسول کو ملانا ہے۔ شیطان اور صد ہا قسم کے کفار اللہ کی ذات وصفات فرشتے، جنت، دوزخ سب کو جانتے ہیں، مگر پھر کافر کے کافر۔ کیوں اس لئے کہ اللہ رسول کو ملاتے نہیں۔

ایک انصاری نے اپنے کھیت کو پانی دینے کا مقدمہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہوا تو اس کے متعلق یہ آیت کریمہ اُتری۔

ترجمہ : اے محبوب آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ اپنے اختلافات میں آپ کو حاکم مانیں پھر آپ کے فیصلے سے دل تنگ نہ ہوں اور سر تسلیم خم کردیں۔

بعض صحابہ کرام کی آوازیں بارگاہِ نبوت میں اونچی ہوجاتی تھیں، ان کے متعلق ارشاد ہوا۔

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی مت کرو اور ان کی بارگاہ میں ایسے اونچے نہ بولو جیسے بعض بعض کیلئے، ورنہ تمہارے اعمال ضبط ہوجائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔

دیکھو ! اس انصاری نے اور ان اونچے بولنے والے حضرات نے کسی ایمانی عقیدے کا انکار نہ کیا تھا۔

توحید قیامت ملائکہ جنت دوزخ وغیرہ سب کے اقراری تھے بلکہ نبوت کا بھی انکار نہ کیا تھا، لوازماتِ نبوت میں سے ایک شے میں قصور ہوگیا تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اور آپ پر اعتماد، رب نے اس کو بھی کفر قرار دے دیا کیونکہ نیکیاں کفر سے ہی ضبط ہوتی ہیں۔

مطلب یہ نکلا کہ تمام عقائد ایمان کا ڈھانچہ ہیں اور حضور آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب واحترام روحِ ایمان ہے۔

بہت جلدی میں یہ چند سطور سپرد خدا اور سول کردیں گر قبول اُفتذ زہے عز وشرف

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَسَلَّم

احمد یار خان نعیمی خطیب جامع غوثیہ گجرات (رحمۃ اللہ علیہ)